

ابراہیم نخعیؒ

شخصیت اور کردار

از جناب شاہ بلیغ المدین صاحب

زبان سے بے اختیار نکلا۔ ایسا کہ وقت تو زندگی بھر نہیں آیا۔ سننے والے گردنیں ڈالے خاموش بیٹھے رہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیم فرما رہے تھے، سچ تھا۔

حضرت ابراہیم بن زید نخعی (نخعی) کا کارنے کے ممتاز تابعین میں شمار تھا۔ کیا علم اور کیا عمل دونوں میں طاق تھے۔ گھرانہ بھی ایسا کہ مشکل سے اس کی نظیر ملتا ہے۔ حضرت اسود ماموں تھے اور حضرت علقمہ بیچا۔ دونوں بہت بڑے محدث تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ لڑکپن میں وہ انہی دونوں کے ساتھ حج پر جایا کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع تھا کہ جب وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلام کو گئے۔ ان سے باتیں کیں اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ — حضرت ابراہیم فقہی گتھیوں کو سلجھانے میں کمال رکھتے تھے۔ حدیث کے وہ ممتاز حافظ تھے۔ تفسیر پر گہری نظر تھی لیکن بہت کچھ جان کر بھی کبھی دکھاوے اور بڑائی کے لیے علمی مسائل پر بحث نہ کرتے۔ ہاں! کوئی پوچھتا تو بتاتے اور خوب اس کا دامن علمی نکات سے بھر دیتے۔ بڑے عالم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے۔ علمی ذمہ داری کا اس درجہ احساس تھا کہ فرماتے — جس کا جی چاہتا ہے آج مفسرین بیٹھتا ہے کل تک

تو ہمارے بزرگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

علم کی کمی آدمی میں غرور پیدا کرتی ہے اور علم کی زیادتی انکسار۔ ہمارے کالجوں اور جامعات میں جو بچے ذرا بوجہ لہنے میں اچھے ہوں یا ایک دو شعر موزوں کہ لیں یا ایک دو کہانیاں لکھ لیں، بس پھر ان کے دماغ ساتویں آسمان سے نیچے آتے ہی نہیں۔ کوئی اپنے آپ کو بوعلی سینا یا البیرونی سے کم نہیں سمجھتا۔ خود نمائی کا ہرزہ ہماری نئی نسل نے اس اہتمام سے اپنایا ہے کہ خالی ڈھول کی طرح پھول رہے ہیں۔ ان کے لباس ان کے عادات و اطوار، ان کی تمنائیں اور تخیلات سب نمائشی ہیں۔ ان کی رہی رہی کسرا اخبار اور رسالے پوری کر دیتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں شہرت کی تمنائیں بھوت کی طرح سر پر سوار رہتی ہے۔ جب اخباروں میں نام آنے لگے اور تصویریں چھپنے لگیں تو یہ بچے جن کی زندگی کی ابھی ابتداء ہے اپنے آپ کو کسی بڑے عالمی سیاست دان سے کم نہیں سمجھتے۔ اگر خوش قسمتی سے یہ صاحبزادے کسی درس گاہ میں یونین کے صدر ہوئے یا کسی اور ادارے کے عہدہ دار ہو تو بس پھر اٹھ دے اور بندہ لے۔ مسلم لیگ کی صدارت کر کے اور پاکستان بنا کے قائد اعظم کو بھی شاید اپنی ذات کی اہمیت کا وہ احساس نہ ہوا ہو جس کا مظاہرہ ان بچوں کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے۔

ہمارے ملک گندی سیاست کا اکھاڑہ تو ہے ہی، جامعات کی فضا بھی اس درجہ گھسی ہوئی اور گندی ہے کہ کوئی کل سیدھی ہی نہیں۔ جس روزہ کا اخبار اٹھا لیجیے اس میں کہیں نہ کہیں یہ تجربہ پڑھنے میں آئے گی کہ بچوں نے درس گاہ کی انتظامیہ کو بے دخل کر دیا اور خود ہر چیز پر قابض ہو گئے۔ اس میلان کو اگر سختی سے کچلا نہ گیا اور طالب علموں نے حصول علم سے زیادہ زور دوسری باتوں پر دینا شروع کر دیا تو جو بچے درس گاہوں سے نکلیں گے ان میں نظم و ضبط کا تصور سرے سے باقی ہی نہ رہے گا۔

ایسی سیاسی تنظیمیں جو طالب علموں کے مستقبل پر نظر نہیں رکھتیں وہ ملک و ملت کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں؟ اب تو طالب علموں میں تشدد کی ایسی لہر اٹھی ہے کہ الامان! الحفیظ! جن لمختوں میں قلم تھے ان میں کلاشنکوف منہمادی گئی ہے۔ یہ بھی اس دور کی گروہی سیاست کا ایک تماشا ہے یا بیرون ملک کے تخریب کار اداروں کا عطیہ ہے۔ سو چھیے کہ جب درس گاہوں

میں تعظیم ہی نہ ہو سکے گی تو کیا اچھے محقق، اچھے سائنسدان، اچھے انجینئر یا اچھے معلم پیدا کرنے میں ہم دوسری قوموں سے اتنے پیچھے نہ ہو جائیں گے کہ عالمی توازنِ قوت میں ہمارا کوئی مقام ہی نہ ہوگا۔ جب نئی پور محنت سے بھاگے گی اور فطرت میں بے قاعدگی سما جائے گی تو ملک کا دفاع بھی کمزور ہو جائے گا اور ہم اپنی آزادی کی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے۔ یہ مایوسی کی بات نہیں یہ ہمارے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ آخر کیوں ہم کم نظر، کم سواد اور کم ظرف رہنا چاہتے ہیں؟ ہم نہ مشرق کے ہیں نہ مغرب کے۔ جسے دیکھو باتیں بنانے کے فن میں استاد ہے۔ کافی ہوز یا چائے خانوں میں بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کر کے بحث و تکرار میں پڑ جانا بہت آسان کام ہے۔ اس طرح کوئی ابوحنیفہؒ، کوئی غزالی کوئی ابن تیمیہ پیدا نہیں ہوتا۔ علم محنت سے آتا ہے۔ جسے علم کی لگن ہو وہ کسے شہرت کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ وقت آنے پر شہرت خود اُس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

حضرت ابراہیم کا علم دریا کی طرح مٹھاٹھیں مارنے والا تھا۔ لیکن وہ سمندر کی طرح خاموش بہتے تھے۔ وہ شہرت اور دکھاوے کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کوئی اگر ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو جہنم کے گڑھے میں جاگرتا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب تک سوال نہ ہوتا وہ کسی علمی بحث میں دخل نہ دیتے۔

حدیث وفقہ دونوں کے امام تھے۔ امام بھی ایسے کہ بات ان پر ختم سمجھی جاتی۔ فقہ پر ان کی نظر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ امام شعبیؒ سے اختیار کہاٹھے کہ — ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور فقیہ نہیں بھوسٹا۔ وہ انہیں امام حسن بصری اور امام ابن سیرین پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پکڑ کے قائل نہ تھے۔ اپنے شاگردوں کو فروعات میں الجھنے سے روکتے تھے۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں آکر مسجدوں پر تالے ڈال دیتے ہیں اور مخالف نقطہ نظر کے حامل ثقہ سے ثقہ عالم دین کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔

روایت حدیث میں لفظ الفاظ سے زیادہ مفہوم کی صحت کا خیال رکھتے تھے اور کسی بات کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے سے پہلے بڑی چھان بین سے کام لیتے

تھے۔ ان کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ابن معین جیسی شخصیت نے امام شعبیؒ کی مُرسل حدیثوں پر ان کی مُرسل روایتوں کو ترجیح دی۔

سلاطین اور امراء میں اللہ تعالیٰ کی محبت دیکھتے تو ان سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے شیخ بھی لے لیتے لیکن ان سے بڑھ کر اپنی طرف سے تحائف بھیجتے۔ دربار داری اور اثر و رسوخ کے لیے علم اور ریاضت کی سوداگری کو سخت بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ حکمران وقت انصاف کو پامال کرتا تو پھر اُسے کبھی معاف نہ کرتے تھے۔

ربا کاری سے بہت بچتے تھے۔ طبقات الاولیاء میں علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ خوش پوش اور جامہ زیب تھے۔ لیکن فقر و فاقہ شعار تھا۔ طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تو وہ بہترین حِلّہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد جاتے اور صبح تک عبادت میں لگے رہتے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ صبح کو حِلّہ آتا کہ پھر معمول کا لباس پہن لیتے۔

امام ذہبی نے انہیں تذکرۃ الحفاظ میں تیسرے طبقے میں شامل کیا ہے۔ وہ انہیں فقیہ عراق لکھتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ ان کے بارے میں سائلین سے کہا کرتے تھے کہ — فتویٰ لینا ہے تو ابراہیم بن زید التنخی (ن خ ع ی) کے پاس جاؤ۔ میرے پاس کیوں آتے ہو۔ منغیرہ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے لوگ حاکم شہر سے گھبراتے ہیں۔ حضرت اعمش کا بیان ہے کہ — ابراہیم راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے اور کبھی ہماری طرف آنکلتے تو صاف معلوم ہوتا کہ بے حال اور بیمار ہیں۔ ویسے بھی ان کی بیوی ہنیدہ (دہنی) کا بیان ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے سلام کا فقرہ کہنے سے منع کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سلام تو صرف اہل ایمان کے لیے جائز ہے۔ غیر مسلموں سے ان کا مزاج پوچھ لیا کر و۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب کوئی جانور سواری کے لیے کرائے پر لیتے تو ادھر ادھر موڑنا بھی گوارا نہ تھا۔ کوڑا اگر لڑتے سے گرجاتا تو اتر کر پیدل جاتے سواری کو موڑنا خلاف دیانت سمجھتے تھے۔

فرماتے تھے کہ جب بیمار سے اس کا حال پوچھا جائے تو کہے کہ اچھا ہے، پھر اپنی تکلیف

بیان کرے۔ پہلا فقرہ ایذا پر صبر کرنے کا مظاہرہ ہے جو افضل عبادت ہے۔ ادھیڑ عمر کے تھے کہ سرفردہ میں حضرت ابراہیم سخت بیمار پڑے۔ آخر وہ دن آیا جو سب پر آتا ہے سانس اکھڑنے سے پہلے سخت بے چین نظر آتے تھے۔ جیسے رہ رہ کر کوئی خیال ان کے ذہن کو ڈس رہا ہو۔ تیمار داروں نے پوچھا۔ کس بابت کی پریشانی ہے۔ تو فرمایا کہ۔۔۔ عزیزو! ایسا کڑا وقت تو زندگی بھر نہیں آیا۔ بڑے امتحانی لمحے ہیں۔ یہ گزرے تو نہیں معلوم۔ کہ اب دالاباد تک کہاں ٹھکانہ ہوگا۔ جنت یا جہنم! یہ سوچتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ حشر تک اسی سکر ات کی حالت میں رہوں تو بہتر ہے!

یہ اس بزرگ کا حال تھا جس کے عالم یا عمل ہونے کی دنیا گواہ تھی!